عرف اور اسلامی معیشت
(*‘Urf* and Islamic Economy)

عطاءالرحمن*
اعزاز علی*

Abstract:
Islamic economic system is based on two fundamental pillars of Qur’ān and Sunnah. The other important sources of Islamic law include *Ijmā’* (Consensus of opinions), *Qiyās* (analogical deduction) *Istiḥsān* (Approval) and *‘Urf* (custom). Many economic and other matters are settled in the light of *‘Urf*. Keeping in view the significance of *‘Urf*, Islam maintained all of those old customs which were beneficial for the humanity. This fact is referred to in the Qur’ān in 2:185 and 22:77. So it is clear that those Customs and traditions which are proven beneficial for humanity were maintained and Islam upheld its validity in order to facilitate the society .Actually every Custom is being adopted due to its burning need, and Islam is the perfect religion to meet the needs and requirements of the people. An effort has been made to define and explain *‘Urf*, its validity and impact on the economy of Islam in the following Article.

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی ملک و قوم کی ترقی وخوشحالی ایک بہترین نظام معیشت پر مبنی ہے۔ایک پائیدار اور مضبوط معاشی نظام کے بغیر کسی مملکت کی ترقی اور بقا کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ دور جدید کی سائنسی اور علمی ترقی نے معیشت کے اندر ایک انقلاب برپا کر دیا ہے جس کی بدولت معاشی دوڑ دھوپ کی رفتار میں انتہائی تیزی آگئی ہے۔روایتی معاشی لین دین اور طور طریقوں کی بجائے نت نئے طریقوں کو اپنایا جارہا ہے جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی کی بدولت بنی نوع انسان کی زندگی پر سکون بن گئی ہے۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جدید ترقی کے اس دور میں سہولیات کے ساتھ ساتھ بے پناہ مسائل نے بھی جنم لیا ہے۔حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر معاشی معاملات طے کئے جاتے ہیں۔معیشت کے حوالے سے آزادانہ طرز فکر اور خود ساختہ طرز عمل نے پوری دنیا کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی ہیں اور سودی لین دین کے بغیر معاشی ترقی کو ناممکن تصور کیا جارہا ہے۔لیکن الحمدللہ مسلم ممالک کے علماء و دانشور حضرات نے ان حالات کا بھرپور احساس کرتے

* صدر شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف ملاکنڈ، چکدرہ، دیر لوئر
* پی ایچ-ڈی ریسرچ سکالر، یونیورسٹی آف ملاکنڈ، چکدراہ، دیر لوئر

ہوئے علمی اور عملی میدانوں میں امت مسلمہ کی راہنمائی کی ہے اور اسلامی نظام معیشت کو اجاگر کرنے اور پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

دوسری طرف غیر اسلامی اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت، ترقی کے تمام تر بلند بانگ دعوؤں کے باوجود رُوبہ زوال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا کے اندر بے روزگاری، مہنگائی، غربت اور معاشی عدم استحکام کا دور دورہ ہے، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حال ہی میں عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بڑے بڑے عوامی مظاہروں کا انعقاد کیا گیا۔ بے چینی اور مایوسی کے اس عالم میں سرمایہ کاروں اور صنعتکاروں کی ایک بڑی تعداد اسلامی بنکاری کی طرف راغب ہو رہی ہے [1] اور کئی مسلمان ممالک کے اندر غیر سودی نظام معیشت کامیابی سے چل رہا ہے جن میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، انڈونیشیا و ملائیشیا غیرہ قابل ذکر ہیں۔ پاکستان کے اندر بھی خیبر بنک، الفلاح، المیزان، البرکتہ اور دبئ اسلامی بنک کے نام سے کئی بینک کام کر رہے ہیں۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دور جدید کے تقاضوں اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلامی معیشت کے اندر علمی و تحقیقی کام کو مزید وسعت دی جائے اور علمی میدانوں میں اسلامی معیشت کو پروان چڑھانے کی کوششوں کو تیز تر کیا جائے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ شریعت کے اندر عرف و رواج کو بھی بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب عالم میں بھی اسے بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ مثلاً رومی قوانین کی تاریخ میں بھی قانون کا اصلی مأخذ عرف و رواج ہی تھا۔ سب سے پہلے رسم ورواج کو بارہ تختیوں پر لکھا گیا[2]۔

عرف اور اسلام: عرف سے مراد وہ عادت اور طریقہ ہے جسکو عام طور پر قبولیت کی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ المنجد فی اللغہ میں عرف کی تعریف یوں لکھی ہے: "**العرف ضدالنکر، مااستقر فی النفوس من جہۃ شہادات العقول وتلقتہ الطباع السلیمۃ بالقبول**"۔ عرف، نکارت کی ضد ہے جو عقل کی گواہی سے نفوس کے اندر قرار پکڑے اور سلیم طبیعتیں اس کو قبولیت عطا کریں[3]. مصباح اللغات میں عرف کا معنیٰ لکھا ہے۔ تسلیم کردہ باتیں۔[4] اس کے علاوہ قرآن و حدیث اور علمائے اصول کے ہاں بھی اس کی بڑی اہمیت وارد ہوئی ہے۔

قرآن کریم میں معروف کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض جگہ شرعی قاعدہ، بعض جگہ اچھائی اور بھلائی کے کام اور بعض جگہ دستور کے معنوں میں مستعمل ہے۔ سورۃ نساء کی آیت وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۔[5] کے تحت امام فخر الدین رازی (م ۶۰۴ھ) لکھتے ہیں: "**و ھذا انما یطلق فیما کان مبنیا علی الاجتھاد و غالب الظن فی المعتاد و المتعارف**"[6] یعنی معروف کا اطلاق اجتہاد پر مبنی ہو گا اور مروجہ اور متعارف چیزوں میں غالب گمان پر ہو گا۔

اس طرح قرآن کریم کی آیت " وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ [7]" " کے تحت مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں، کہ اس پر تو اتفاق ہے کہ میاں بیوی دونوں مالدار ہوں تو نفقہ امیرانہ اور دونوں غریب ہوں تو نفقہ غریبانہ واجب ہو گا۔ اور فتح القدیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ راجح یہی ہے کہ شوہر کی حیثیت کو دیکھا جائے گا۔ اور اسی کے مطابق نفقہ واجب ہو گا[8]۔

ذخیرہ احادیث میں عرف کے استدلال میں عبد اللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) کا قول پیش کیا جاتا ہے جو موقوف حدیث کے درجہ میں ہے۔ مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ [9] وَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيحٌ [10] یعنی جس فعل کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور جس عمل کو مومن برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔

امام بخاریؒ (م ۲۰۶ھ) نے عرف کے متعلق ایک باب قائم کیا ہے۔ "**باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینھم فی البیوع**"[11] اور استدلال میں قرآنی آیت " وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ [12] " کو پیش کیا ہے اسی طرح امام بخاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب (م ۲۳ھ) کے دور خلافت میں قاضی شریح (م ۸۷ھ) نے سوت کاتنے والوں سے فرمایا۔ **سنتکم بینکم**۔ یعنی تمہارا دستور و طریقہ تمہارے اندر باقی رکھا جائیگا[13]۔

علمائے اصول نے ان ہی دلائل کی روشنی میں عرف و رواج کو معتبر مانا ہے۔
علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے الاشباہ والنظائر میں قواعد فقہیہ کو ذکر کیا ہے جن میں چھٹے قاعدے کے تحت لکھا ہے " **العادۃ محکّمۃ**"[14] یعنی عادت کو حکم اور قانون گردانا جائیگا۔ اسی طرح **مجلۃ الاحکام العدلیۃ** کی دفعہ نمبر ۴۵ میں درج ہے۔ "**التعین بالعرف کالتعین بالنص**"[15] عرف کا متعین کردہ حکم نص کے متعین کردہ حکم کی طرح ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفیؒ (م ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں۔ "**العرف بمنزلۃ الاجماع عند عدم النص**"[16] نص معدوم ہونے کی صورت میں عرف اجماع کے درجہ پر ہے۔ صاحب ہدایۃ نے بھی تصریح کی ہے ۔"**ومالم ینص علیہ فھو محمول علی عادات الناس**"[17] اور جن معاملات میں نص وارد نہ ہو وہ لوگوں کے عادات پر محمول ہوں گے۔

مجلۃ الاحکام العدیۃ کی دفعہ نمبر ۳۷ میں درج ہے۔" **استعمال الناس حجۃ یجب العمل بھا**"[18] یعنی لوگوں کا دستور حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔

عرف ورواج تقریباً تمام فقہاء کے ہاں مستند ہے۔ لیکن اس کے لئے فقہاء نے چند شرائط بھی وضع کی ہیں۔ڈاکٹر صبحی **محمصانی** نے تقریباً پانچ شرائط ذکر کی ہیں جن میں اہم یہ ہے کہ وہ عرف قابل قبول ہے جو غالب ہو اور عام قبولیت اسے حاصل ہو۔ اور سب سے اہم یہ ہے کہ یہ عرف نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہو[19]

عرف کے حوالے سے اہم بات یہ بھی ہے کہ ہر زمانے کے اپنے مخصوص حالات اور ضروریات ہوتی ہیں اور ان ہی ضروریات کو مد نظر رکھ کر کسی رواج کو اپنایا جاتا ہے۔ باالفاظ دیگر ایک ہی وقت میں مختلف علاقوں کے اندر عرف مختلف ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح زمانے کی تبدیلی کے ساتھ عرف کے اندر بھی تبدیلی لائی جاتی ہے۔ جیسا کہ **مجلۃالاحکام العدلیۃ** کی دفعہ نمبر ۳۹ میں درج ہے: لَا يُنْكَرُ تَغَيُّرُ الْأَحْكَامِ بِتَغَيُّرِ الْأَزْمَانِ "[20] زمانے کی تبدیلی پر احکام کی تبدیلی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

امام شہاب الدین القرافیؒ (م ۶۸۴ھ) لکھتے ہیں اہل قانون اور اہل فتوی جس اصل کے ہمیشہ پابند رہے ہیں۔ وہ زمان و مکان کے لحاظ سے عرف و عادات کی تبدیلی کو پیش نظر رکھنا ہے۔ جب کوئی نیا عرف رائج ہو جائے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے اور جب کوئی عرف یا عادت ختم ہو جائے تو اس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ ایک فتوے پر جامد رہنا کسی طرح درست نہیں۔[21]

اسلامی معیشت میں عرف کا استعمال:

اسلامی معیشت میں بیوعات کے اندر عرف کو معتبر مانا گیا ہے۔ اور اسی پر فتوے دیئے گئے ہیں ذیل میں چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

بیع تعاطی: تعاطی کی لغوی معانی باہم لین دین کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں بیع تعاطی ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس میں فریقین یا ہر ایک زبان کے بجائے عمل کے ذریعہ رضامندی کا اظہار کریں[22] مثلاً کسی چیز معین کی قیمت معروف ہو اور کوئی آکر خاموشی سے بائع کو قیمت پکڑا کر چیز لے جائے تو یہ بیع جائز ہے[23]

اسی طرح بیع میں ثمن کا مطلق رکھنا وہ سکہ متصور ہو گا جو معروف اور رائج الوقت ہو۔ اور اگر کسی علاقے میں مختلف سکے اور کرنسیاں رائج ہوں تو بیع صحیح نہیں ہو گی الاّ یہ کہ تعین ہو جائے۔[24]

جزاف: جزاف ناپنے، تولنے اور مقدار کا تعین کئے بغیر خرید و فروخت کرنے کو کہتے ہیں[25] اٹکل اور اندازے کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں کو جزافا (اٹکل کے ساتھ) بیع کرتے دیکھا ہے[26]۔ اس میں شرط یہ ہے کہ مبیع اور ثمن کی جنسیت مختلف ہو۔ اور ادھار بھی نہ ہو۔ کیونکہ حدیث **الذھب بالذھب الخ** میں نہی وارد ہوئی ہے۔[27]

گھر اور زمین کی بیع : گھر کے ساتھ مستقل جڑا ہوا سامان مثلاً دروازے وغیرہ بھی بیع میں شامل ہوں گے۔اسی طرح زمین میں لگے ہوئے درخت بھی زمین کی بیع میں شامل ہوں گے۔البتہ میوہ جات اور فصل غلہ وغیرہ بائع کے ہوں گے، الا یہ کہ مشتری بیع کے وقت شرط لگادے کہ یہ بھی شامل ہوں گے[28]۔

خیار عیب: مبیع کا بے عیب ہونا عادۃً مرغوب اور عرفاً مطلوب ہے، تاجروں کے ہاں بھی یہی معروف ہے کہ ہر وہ چیز تجارت میں عیب شمار ہوگی جو ثمن میں کمی کا باعث ہو[29]۔

شروط فاسدہ پر خرید و فروخت: بعض شروط فاسدہ تو ایسی ہیں جن کی حرمت، نصوص سے ثابت ہے۔ لیکن بعض شروط اگر چہ فاسد ہوں لیکن عرف عام کی وجہ سے ان کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی دکاندار سے اس شرط پر سامان خریدا کہ وہ اس کو اس کے گھر تک بھی لے جائے گا تو ظاہری طور پر یہ شرط فاسد ہے اور بیع فاسد میں داخل ہے۔ کیونکہ مشتری نے ثمن کو سامان اور عمل دونوں کیلئے عوض بنادیا۔ جو کہ **صفقتین فی صفقة** [30] ہو گیا، کہ حدیث کی رو سے منع ہے۔ "**نهی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین فی بیعة** [31] کیونکہ ثمن تو سامان کا عوض ہو گیا۔ اور عمل کیلئے الگ اجارہ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن یہاں ایک ہی ثمن کے بدلے مبیع اور اجارہ دونوں آ گئے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کپڑے والے دکاندار سے اس شرط پر کپڑا خریدے کہ بائع اس کو سی کر دے گا۔ تو یہ بھی ظاہراً بیع فاسد ہے۔ کیونکہ ایک ہی بیع میں دو کام شامل ہوئے۔ لیکن اوپر کے دونوں مسائل کو تعامل الناس اور عرف کی وجہ سے جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔[32]

اسی طرح ہمارے ہاں یہ معروف ہے کہ سیب یا دوسرے پھلوں اور سبزیوں کو لکڑی کی پیٹیوں یا بوریوں کے ساتھ ہی فروخت کیا جاتا ہے۔ جو کہ بیع فاسد ہے لیکن عرفاً اسے بھی جائز قرار دیا جاسکتا ہے [33]۔

بیع تولیہ: تولیہ کا لفظی معنیٰ ہے کسی کو ولی بنانا۔ اصطلاح میں تولیہ سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو جس قیمت پر خریدا جائے اس قیمت پر دوبارہ کسی اور کو فروخت کیا جائے یعنی عقد اول کی قیمت پر عقد ثانی میں بھی فروخت کیا جائے۔ عہد نبویؐ سے لے کر آج تک اس پر عمل ہوتا آرہا ہے۔ اور اس پر نہی وارد نہیں۔ اور یہ لوگوں کی ضرورت بھی ہے کیونکہ بعض لوگ صحیح طریقہ سے خرید و فروخت نہیں کر سکتے اسی لئے وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس قیمت پر پہلی مرتبہ خریدی گئی ہے اسی قیمت پر فروخت کی جائے[34]۔ اور دلیل یہ ہے کہ ہجرت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کی دو سواریوں میں سے ایک خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا اور فرمایا بالثمن یعنی جتنے کی تم نے خریدی ہے۔ اتنا ثمن دیکر فروخت کروں گا[35]۔

اسی طرح امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) اور امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کے نزدیک جس چیز کے کیلی [36] ہونے پر حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہو وہ کیلی ہی رہے گی اگر چہ لوگوں کا تعامل وزن کا ہو گیا ہو۔ اور جس چیز کو آپؐ نے وزنی قرار دیا ہو وہ وزنی ہی رہے گی اگر چہ

گوں کا تعامل کیل کا ہو گیا ہو لیکن امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۳ھ) کے نزدیک عرف اور عادۃ الناس کا اعتبار کیا جائیگا اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ گندم، جو، کھجور اور نمک کے متعلق آپؐ کا ارشاد کیلی ہونے کا ہے اور سونے چاندی کے بارے میں آپؐ نے وزنی کا اعتبار کیا ہے جس کی وجہ سے امام اعظمؒ کے نزدیک گندم، جو، یا کھجور بجنسہ کیلاً فروخت کرنا جائز نہ ہو گا۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عرف کی وجہ سے جائز قرار دیا جائیگا۔[37]

زمانہ قبل از اسلام کے اندر لوگوں کے کئی رسوم ورواج تھے جن میں سے بعض کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا۔ اور بعض کو افادہ عام کی خاطر باقی رہنے دیا گیا۔ مثلاً حمل کی بیع فاسد ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ (۷۴ھ) کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔[38] حالانکہ زمانہ جاہلیت میں اس کا معمول تھا۔

رخصت استقدام کی بیع: یعنی ایک شخص اپنی کمپنی کیلئے بیرون ملک سے کاریگر بلوانے کیلئے اپنی حکومت سے اجازت نامہ حاصل کرلے۔ اس اجازت نامے کو رخصت استقدام کہتے ہیں، اس اجازت نامے سے خود استفادہ کرنا جائز ہے لیکن اس کو فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کوئی مال نہیں اور مبیع نہیں بن سکتا اسی لئے یہ بیع درست نہیں[39].

استصناع (Manufacturing Contract)

استصناع عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز کو تیار کرنے کا حکم دینا ہے۔[40] اصطلاح میں استصناع ایک ایسی چیز پر کیا گیا عقد ہے جس کی صفات متعین ہوں اور ان صفات کے مطابق اس چیز کو بنوانا مقصود ہو۔ فقہاء نے مختصر الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی ہے۔ **ھی عقد علی بیع فی الذمۃ شرط فیہ العمل۔**[41] یعنی کسی ایسی چیز پر عقد کرنا جو ذمہ میں ہو اور اس پر عمل کرنا مشروط ہو۔

چونکہ استصناع ایسا عقد ہے کہ اس میں چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کا سودا ہو جاتا ہے۔ اگر تیار کنندہ چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے تو اس سے استصناع کا عقد مکمل ہو جاتا ہے۔ چونکہ استصناع میں ایسی چیز کی بیع کی جاتی ہے جو انسان کے پاس نہیں ہے لہذا یہ بیع جائز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حدیث میں "**مالیس عند الانسان**" یعنی ایسی چیز جو انسان کے پاس نہیں ہے اس کی بیع کرنے سے منع کیا گیا ہے[42]۔

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں: " **ویصح الاستصناع عند المالکیۃ والشافعیۃ والحنابلۃ علی اساس عقد السلم وعرف الناس**"[43] مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد استصناع بیع سلم کی اساس اور عرف کی بنیاد پر صحیح ہے۔

علماء احناف کے بارے میں لکھتے ہیں۔ **ویجوز عند الحنیفة استحساناً لتعامل الناس وتعارفھم علیه فی سائر الاعصار من غیر نکیر**[44] علماء احناف استحساناً اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اس پر لوگوں کا تعامل آرہا ہے اور تمام زمانوں میں لوگ اس پر عمل کرتے آئے ہیں۔

علامہ عینیؒ (م855ھ) فرماتے ہیں اگرچہ استصناع کے اندر معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اسے حکماً موجود سمجھا جائے گا۔ آپ لکھتے ہیں: "**ان المعدوم قد یعتبر حکمًا أی من حیث الحکم کالناس لتسمیة عند الذبح فان التسمیة جعلت موجودة لعذر الانسان والطھارة للمستحاضة جعلت موجودة لعذر جواز الصلوة لئلا تتضاعف الواجبات فکذٰلک المستصنع المعدوم جعل موجودًا حکماً لتعامل الناس**"[45] یعنی کبھی کبھی معدوم چیز کو (انسان کے اعذار کے پیش نظر) حکماً موجود سمجھا جاتا ہے۔ جیسے ذبح کرتے وقت تسمیہ بھول کر ذبیحہ پاک ہے اور یوں سمجھا جاتا ہے کہ گویا حکماً تسمیہ موجود ہے۔ اسی طرح مستحاضہ اگرچہ ناپاک ہوتی ہے لیکن اس کی مجبوری کے پیش نظر نماز کے وقت اسے حکماً پاک قرار دیا جاتا ہے۔ لھٰذا یہاں عقد استصناع میں لوگوں کی تعامل کی وجہ سے معدوم چیز کو موجود فرض کر لیا جائے گا۔

بیع سلم

بیع کی قسموں میں سے ایک بیع سلم ہے۔ اسے فقہاء کرام مختصر انداز میں بیع الآجل بالعاجل[46] کہتے ہیں۔ یعنی فوری چیز (قیمت) کے ذریعے بعد میں ملنے والی چیز مبیع کو خریدنا۔ گویا قیمت نقد ہے اور بیچی جانے والی چیز مؤخر ہے۔ حدیث شریف سے بیع سلم کا جواز ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے: "**قدم رسول اللهﷺ المدینة والناس یسلفون فی الثمر العام والعامین أو قال: عامین او ثلاثة شک اسماعیل فقال: من سلف فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الیٰ اجل معلوم**"[47] اسی طرح امام ابوداوٗد نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے[48] "جب رسول اللہؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ ایک یا دو سال یا فرمایا دو یا تین سال (اسماعیل نامی راوی کو شک ہے) کے لئے پھلوں میں بیع سلم کرتے تھے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیع سلم کرے اسے چاہئے کہ متعین پیمانے، متعین وزن اور متعین مدت کے لئے کرے"۔

حدیث میں مذکور بیع سلم کے شرائط کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ دردیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**ان یضبط المسلم فیه بعادته التی جری بھا العرف من کیل فمایکال کالحب أو وزن فیمایوزن کالسمن والعسل او عدد فیمایعد کالرّمان والبیض**"[49]

مسلم فیہ (خریدی ہوئی چیز) کو اس طریقے سے متعین کرنا ضروری ہے جس طرح اسے متعین کرنے کا عرف ہو، لہٰذا ناپی جانے والی چیز کا تعین ناپ کے ذریعے کیا جائے جیسے گندم۔ تول کر دی جانے والی چیز کا تعین تول کے ذریعے کیا جائے جیسے گھی اور شہد اور گن کر دی جانے والی چیز کا تعین شمار کر کے کیا جائے جیسے انار اور انڈے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ جو اور گیہوں (کیلی) ماپ کر فروخت کئے جاتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا **البر بالبر کیلاً بکیل و الشعیر بالشعیر کیلاً بکیل** یعنی جو اور گیہوں پیانوں سے ماپ کر ہی فروخت کئے جائیں، رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ طریقہ بدل گیا۔ جو اور گیہوں وزن کر کے فروخت ہونے لگے اور آج بھی وزن ہی کا رواج ہے۔ تو کیا یہ طریقہ حدیث مذکور کے مخالف ہونے کے سبب سے قابل قبول نہ ہو گا؟ مسئلہ مذکورہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس حکم شرعی کا اتباع واجب ہے نہ کہ جدید عرف کا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ان سے مختلف ہے۔ ان کے نزدیک استحساناً حکم شرع ترک کر دینا اور عرف کا اتباع ضروری ہے کیونکہ حکم شرع کا مطمع نظر عرف ہی تھا۔

مجلہ کے فاضل شارح امام ابو یوسف کی رائے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
علی هذه الراویة التفصیل، و هو انه عند تعارض النّص و العرف ینظر، فان كان النص مبنیا علی العرف۔ فالاعتبار للعرف و الا فللنص[50] امام ابو یوسفؒ کی رائے کی تفصیل یہ ہے کہ نص شرعی اور عرف میں تعارض کے وقت دیکھا جائے گا اگر نص شرعی عرف و رواج پر مبنی ہو تو (عرف کی تبدیلی سے جدید) عرف کا اعتبار ہو گا اور اگر نص شرعی عرف پر مبنی نہ ہو تو عرف کا اعتبار نہ ہو گا۔

علامہ قرافی (م684ھ) مالکی لکھتے ہیں: "**و کل ما هو فی الشریعة یتبع العوائد یتغیر الحکم فیه عند تغیر العادة الی ما تقتضیه العادة المتجددة**"[51]۔ شریعت کے وہ تمام احکام جو عرف و عادت پر مبنی ہو، عرف کے تغیر کے بعد نئے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہو جائیں گے۔

علامہ ابن عابدین الشامیؒ لکھتے ہیں:

> "**و افتاؤهم بالعفو عن طین الشارع للضرورة و بیع الوفاء و الاستصناع و الشرب من السقا بلا بیان مقدار ما یشرب و دخول الحمام بلا بیان مدة المکث و مقدار ما یصب من الماء و استقراض العجین و الخبز بلا وزن و غیر ذالک مما بنی علی العرف و قد ذکر من ذالک فی الاشباه مسائل کثیرة (فهذه) کلها قد تغیرت احکامها لتغیر الزمان اما للضرورة و اما للعرف و اما لقرائن الاحوال و کل ذالک غیر خارج عن المذهب لان صاحب المذهب لو کان فی هذا الزمان لقال بها و لو حدث هذا التغیر فی زمانه لم ینص علی خلافه**[52]

ضرورت کی بناء پر سڑک کے کیچڑ سے در گزر، بیع الوفا[53] عقد استصناع، پینے کی مقدار بتائے بغیر مشکیزہ سے پینا، ٹھہرنے کی مدت بتائے بغیر حمام میں داخل ہونا اور اسی طرح پانی کی مقدار بتائے بغیر استعمال کرنا، بلا وزن کئے ہوئے روٹی اور گوندے ہوئے آٹے کا قرض لینا وغیرہ ان احکام میں سے ہیں جو عرف پر مبنی ہیں۔ اس قسم کے بہت سے مسائل اشباہ میں مذکور ہیں، تو ان سب مسائل میں تغیر زمانہ کی وجہ سے احکام میں تغیر ہوا ہے یا تو ضرورت کی بنا پر یا عرف کی بناء پر اور یا قرائن احوال کی بناء پر، ان تمام مسائل میں مذہب سے خروج نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ صاحب مذہب اس زمانے میں موجود ہوتے تو وہ بھی یہی کہتے اور اگر ان کے زمانہ میں عرف ورواج کا یہ تغیر رونما ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔

ایک اور جگہ علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں: "**وفی الحاوی سئل محمد بن سلمة عن اجرة السمسار فقال: ارجو انّه لا بأس به وان کان فاسدًا فی الاصل لکثرة التعامل و کثیر من هذا غیر جائز, فجوزه لحاجة الناس الیه کدخول الحمام**"[54].
حاوی میں ہے کہ محمد بن سلمہ سے سمسار کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے امید ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اصل کے اعتبار سے فاسد ہے لیکن کثرت تعامل کی وجہ سے یہ عقد جائز ہے اس جیسے دیگر بہت سے معاملات قیاس کے تقاضے کے مطابق ناجائز ہیں، لیکن لوگوں کی ضرورت کی بنیاد پر انہیں جائز قرار دیا گیا ہے۔ جیسے حمام میں داخل ہونے کی اجرت۔

علامہ کاسانیؒ شرکتہ الابدان[55] اور شرکتہ الوجوہ[56] کے حوالے سے جواز وعدم جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**ان الناس یتعاملون بهذا النوعین فی سائر الاعصار من غیر انکار علیهم من احد و قال علیه الصلٰوة و السلام: لا یجتمع امتی علی الضلالة**"[57] بلاشبہ لوگ تمام زمانوں میں شرکت کی ان دونوں صورتوں کو اختیار کرتے رہے ہیں اور ان پر کسی نے نکیر نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی"۔

لہٰذا بغیر نکیر کے اس عقد کا رواج پذیر ہونا اس کے جواز کی دلیل ہے، امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کی نزدیک امامت اذان، تدریس اور دیگر امور دینیہ پر اجرت لینا جائز نہیں۔ چونکہ یہ سب کام عبادات میں سے ہیں اور عبادات خالص اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب لینے کی نیت سے انجام دینے چاہئیں۔ بعض روایات میں ایسے امور پر اجرت لینے پر وعید بھی آئی ہے۔[58]) لیکن بعد کے دور میں جب حالات بدل گئے۔ بیت المال سے اساتذہ کے جو وظائف مقرر تھے وہ موقوف ہو گئے تو متاخرین فقہاء نے رواج بدل جانے کے سبب اس قسم کی اجرت لینے کا فتوی دیا۔

برھان الدین مرغینانیؒ (م 593ھ) لکھتے ہیں: "**وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانه ظهر التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع یضیع حفظ القرآن و علیه الفتوٰی**"[59] ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں تعلیم

قرآن کے لئے اجرت کو مستحسن قرار دیا ہے اس لئے کی دینی امور میں سستی پیدا ہو گئی ہے اس کی ممانعت میں حفظ قرآن کے ضیاع کا خدشہ ہے۔ اور اسی پر فتوٰی بھی ہے۔

اسی طرح علمائے متاخرین کے نزدیک وقف شدہ جائیداد اور یتیم کی جائیداد کے غصب کرنے والے پر اس منافع کا تاوان بھی لازم ہو گا جو منافع مغصوبہ جائیداد سے حاصل ہوا ہو۔ حالانکہ یہ فتوٰی مذہب حنفی کے اس قاعدے کے خلاف ہے۔ **ولا یضمن الغاصب منافع ما غصبہ** [60] یعنی غاصب پر منافع کا تاوان واجب الادا نہیں۔ چونکہ یتیم کے بے بسی اور اوقاف کا کوئی متعین مالک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا قوی اندیشہ تھا کہ اس پر لوگ جری ہو جائیں گے لہٰذا فقہاء متاخرین نے یتیموں اور وقف شدہ جائیداد کے غصب کرنے والوں پر فائدہ اٹھانے کا تاوان بھی لازم قرار دیا۔

مجلہ کے فاضل شارح لکھتے ہیں: "**لکن المتاخرین افتوا استحسانا بضمان المنافع فی مال الوقف و الیتیم و ما فی حکمہ کالصغیر و المعتوہ و المجنون لماشاھدوا اطماع الناس فی مال الوقف و الیتیم**"۔[61] جب متاخرین علماء نے وقف، یتیموں، بچہ، پاگل اور دیوانہ کے اموال میں لوگوں کی حرص دیکھی تو استحساناً اس بات کو جائز قرار دیا کہ غاصب کا مغصوبہ سے نفع اٹھانے کا تاوان وصول کیا جائے۔

حواشی و مراجع

1 عثمانی، محمد تقی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مقدمہ
2 محمصانی، ڈاکٹر صبحی، فلسفہ تشریع اسلامی، (مترجم مولوی محمد احمد رضوی)، ص۲۹۷
3 معلوف، لوئس، المنجد فی اللغۃ، ص، ۵۰۰
4 بلیلاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ص، ۵۴۵.
5 سورۃ النساء، ۲۵
6 الرازی، امام فخر الدین، تفسیر کبیر، ج۷، ص ۶۲
7 البقرۃ آیت ۲۳۳
8 مفتی، محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ج۱، ص۵۸۱.
9 بغوی، حسین بن مسعود، شرح السنۃ، ج۱، ص ۲۱۴.
10 امام احمد، مسند امام احمد، ج۱، ص۳۷۹
11 بخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب من اجری الامر الامصار علی مایتعارفون بینھم فی البیوع، ج۱، ص ۲۹۴
12 سورۃ النساء، ٦

13 عینی، امام بدر الدین، عینی شرح صحیح بخاری، ج ۱۲، ص ۱۲

14 السیوطی، حافظ جلال الدین، الاشباہ والنظائر، ص ۱۳۰.

15 مجلۃ الاحکام العدلیۃ، ص ۲۱

16 ابن الھمام، محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، ج ۵، ص ۲۸۳

17 المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایۃ، باب الربا، ج ۳، ص ۸۴

18 مجلۃ الاحکام العدلیہ، ص ۲۰

19 محمصانی، ڈاکٹر صبحی، فلسفہ تشریع اسلامی، ص، ۳۰۳

20 مجلۃ الاحکام العدلیہ، ص ۲۰

21 قرافی شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس مصری، الاحکام فی تمیز الفتاویٰ عن الاحکام، ص ۶۷۔۶۸

22 رحمانی، خالد سیف اللہ، قاموس الفقہ، ج ۲، ص ۵۷۴

23 الصاغرجی، شیخ اسعد محمد سعد، فقہ حنفی، ج ۲، ص ۷۲۔(مترجم خالد محمود)، ج ۲، ص ۲۷

24 المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایۃ، ج ۳، ص ۲۴

25 رحمانی، خالد سیف اللہ، قاموس الفقہ، ج ۳، ص ۹۹

26 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ج ۱، ص ۳۸۷

27 الترمذی، ابو عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ابواب البیوع، ج ۱، ص ۲۳۵

28 الصاغرجی، شیخ اسعد محمد سعد، فقہ حنفی، ج ۲، ص ۳۳

29 الصاغرجی، شیخ اسعد محمد سعد، فقہ حنفی، ج ۲، ص ۴۳

30 یعنی ایک عقد بیع میں دو عقود بیع.

31 الترمذی، ابو عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ج ۳، ص ۵۳۳

32 الصاغرجی، شیخ اسعد محمد سعد، فقہ حنفی، ج ۲، ص ۵۰

33 ایضاً

34 الصاغر جی، شیخ اسعد محمد سعد، فقہ حنفی، ج ۲، ص ۵۵

35 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ، ج ۵، ص ۷۵

36 کیلی کا مطلب کسی چیز کو اپنے مخصوص پیمانہ پر خرید و فروخت کرنا

37 الصاغرجی، شیخ اسعد محمد سعد، فقہ حنفی، ج ۲، ص ۵۸

38 الترمذی، ابو عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ج ۱، ص ۲۳۲، وامام مسلم، صحیح مسلم، ابواب البیوع، ج ۵، ص ۳

39 الصاغرجی، شیخ اسعد محمد سعد، فقہ حنفی، ج ۲، ص ۵۳

40 الزبیدی، سید محمد مرتضی الزبیدی، تاج العروس، ج ۵، ص ۴۲۲، مادہ "صنع"

41 الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۵، ص ۲

42 الشافعیؒ، امام محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام، ج ۶، ص ۲۸۸

43 الزحیلی، ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۴، ص ۶۳۲

44 ایضاً

45 العینی، علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی، البنایۃ شرح الھدایۃ، ج ۳، ص ۲۱۴۔

46 شیخی زادہ، عبد الرحمٰن بن محمد بن سلیمان، مجمع الانھر مع شرحہ ملتقی الابحر، ج ۳، ص ۱۳۷

47 بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب السلم، باب السلم فی کیل معلوم، ج ۱، ص ۲۹۸

48 ابو دائود، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی دائود، کتاب البیوع، باب فی السلف، ج ۳، ص ۲۷۳

49 الدردیر، ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر، شرح الصغیر، مصر، رار المعارف، ج ۳، ص ۲۷۶

50 البنانی، رستم باز اللبنانی، شرح المجلۃ، ص ۳۴، المادۃ ۳۶

51 قرافی، شھاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس قرافی مصری، الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام، ص ۶۷۔۶۸.

52 ابن عابدین الشامی، سید محمد امین الشامی، شرح عقود رسم المفتی، ص ۳۸

53 شہروں میں بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جتنا روپیہ قرض لینا یا دینا ہوتا ہے، مقروض اپنا مکان قرض دینے والے کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے کہ وہ جب قرض ادا کرے گا تو اپنا مکان واپس لے لے گا اور پھر وہ مکان بدستور اس کی ملک میں آجائے گا۔ فقہاء اس کو بیع الوفا سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عابدین، سید محمد امین الشہیر بابن عابدین، ردالمختار، ج ۴، ص ۳۴۶

54 ابن عابدین، سید محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی، ردالمختار، ج ۶، ص ۳۶

55 شرکۃ الابدان کی حقیقت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کوئی ایسا کاروبار شروع کریں جس میں لوگوں کے کام اجرت پر کئے جائیں اور جو کمائی ہو اس میں دونوں شریک ہوں۔ مثلاً دو درزی آپس میں اس بات میں اشتراک کر لیں کہ ہمارے پاس جو بھی کپڑا آئے گا ہم اسے مل کر سئیں گے اور جو اجرت ہو گی اسے آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے اسے شرکۃ الابدان، شرکۃ الصنائع اور شرکۃ التقبل بھی کہا جاتا ہے۔ الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع ج ۶، ص ۵۶

56 شرکۃ الوجود کی حقیقت یہ ہے کہ شرکاء کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا وہ اپنی وجاھت اور تجارتی ساکھ کی بنیاد پر سامان ادھار لاتے ہیں اور آگے فروخت کر کے نفع حاصل کرتے ہیں جو کہ شرکاء میں طے شدہ نسبت کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ علماء احناف اور حنابلہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، جبکہ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں۔ القفال، سیف الدین ابو بکر بن احمد بن احمد الشاسی القفال، حلیۃ العلاء فی معرفۃ مذاھب الفقہاء، ج ۵، ص ۱۰۲

57 الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۵۸

[58] الترمذی، ابو عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، سنن الترمذی، ابواب الصلوٰۃ، ماجاء فی کراھیۃ ان یأخذ المؤذن علی الاذان اجراً، ج۱، ص۴۰۹، والمرغینانی، برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، ج۳، ص۳۰۱، والقزوینی، حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، بیروت، دارالفکر، کتاب التجارات، باب الاجر علی تعلیم القرآن، ج۲، ص۱۲

[59] المرغینانی، برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، الھدایۃ، ج۳، ص۳۰۱

[60] ایضاً، ج۳، ص۳۸۱

[61] الاتاشی، محمد خالد الاتاشی، شرح المجلۃ، ج۱، ص۹۲